ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

حنا آتش

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ڈاکٹر ممتاز خان کلیانی

صدر نشین، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

خالد جاوید کی ناول نگاری: جدید تناظر میں

Hina Atish,
PhD Scholar, Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University Multan.
Mumtaz Khan Kalyani ,
Chairperson Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University Multan.

Khalid Javed's Novel Writing in Modern Context

Khalid javed,s art is in fact the name of human experience and awareness of observation. Khalid javed,s novels are the best interpreters of the storm of suffering, misery, sorrow and loneliness that the human race has endured. His thought in the universe is as if the interpretation of reality and reality is constant possibility the mysticism of understanding life and understanding the facts has ignited the process if playing openly with in the extinct boundaries of his art-Khalid javed,s ruthless statement leaving all the ends of the story so loose and confusing that it becomes a challenge for the reader to understand-the theme of all three of Khalid javed,s novels is death-your novels of philosophical and psychological issues as well as social, political, Cultural and economic life is also a charisma.

Keywords: *Modernity, Postmodernism, Absurd, Death, Loneliness, Life understanding, Ruthless statement.*

ناول خواہ کسی بھی زبان اور خطہ سے تعلق رکھتا ہو وہ اپنے عہد کی سماجی تاریخ کا آئینہ ہوتا ہے۔ویسے تو ناول مغرب کی دین ہے لیکن ہمارے ہاں اس کی روایت، داستانوں اور حکایات کی صورت میں موجود تھی۔ناول کی زبان چاہے جو بھی ہو وہ اپنے عہد کی سماجی تاریخ کا آئینہ ہوتا ہے۔یہ زمان و مکاں سے ماورا نہیں ہو سکتا بلکہ جس مقام

کی بنیادوں پر لکھا جاتا ہے وہاں کے تاریخی آثار، جغرافیہ زبان و بیان محاورہ، معاشرتی طور طریقے، گلیاں چوبارے غرض اس مقام کی ہر طرح سے عکاسی کرتا ہے۔

ادب کی تجسیم میں تاریخ کی نبض چلتی نظر آتی ہے۔ یہ رشتہ سیدھا اور براہ راست جان پڑتا ہے اور کہیں پیچ دار، کہیں شعور اور لاشعور اور اجتماعی شعور کی موشگافیاں اور کہیں اس کے پیچھے گہرا انسانی تجربہ کار فرما ہوتا ہے۔ خالد جاوید اردو ناول نگاری کا ایک اہم نام ہے۔ خالد جاوید نے موضوع، تکنیک اور ہیئت کے لحاظ سے نت نئے تجربے کیے اور کامیاب بھی ٹھہرے۔ آپ نے اپنے ناولوں میں ایک ایسا بیانیہ تخلیق کیا ہے جسے ناقدین ادب و فن نے غیر معمولی تو قرار دیا ہی بلکہ انہی کا خاصہ بھی قرار دیا۔ خالد جاوید کے ناولوں نے ان سب ناقدین کی زبانیں بند کر دیں جو کہتے تھے کہ آج کا ناول ندرت اور حسن مونویت سے محروم ہو کر رستے سے بھٹک چکا ہے۔ خالد جاوید نے اپنے ہر ناول کے ساتھ ایک نیا ماڈل مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ روایتی کہانی کے تصور سے نکل کر اینٹی ناول کی طرف آئے:۔

> "افسانے میں Frame Breaking کی پہلی مثال عزیز احمد اور ناول میں قرۃ العین نے قائم کی تھی۔ جس میں باطنی وحدت کو تلاش کرنا اتنا مشکل نہ تھا اور خصوصاً بعد کے زمانوں میں تو یہ مثالیں اتنی اینٹی بھی محسوس نہیں ہوتیں۔"(۱)

خالد جاوید کے ناول روایتی ناولوں کے تناظر میں قطعی ناموس ساخت کا تصور پیش کرتے ہیں۔ ان کے اپنے اصول اور قاعدے ہیں۔ ان کے ہاں نمایاں طور پر فلسفیانہ رجحانات نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں ہمیں انسان کی ظاہری اور باطنی وجود کی بحث ذوروں پر نظر آتی ہے۔ دور حاضر کے فرد کے باطنی مسائل کا کرب انگیز بیانیہ نظر آتا ہے۔ خالد جاوید کو مغربی اور مشرقی فلسفہ دونوں پر عبور حاصل ہے۔ ان کے ہاں کہیں گوتم بدھ اور مہاتما گاندھی کے فلسفے ہیں اور کہیں افلاطون، ارسطو، فرائیڈ، ہائیڈ گر اور ایڈلر کے اور فلسفے سے ان کی دلچسپی کی وجہ ہے ان کا فلسفہ کا استاد ہونا بھی ہے۔ وجودیت اور مابعد الطبیعات کے فلسفہ سے انہیں گہری دلچسپی ہے۔ انسانی رشتے اور ان رشتوں سے جڑی نفسیاتی الجھنیں ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ "موت کی کتاب" خالد جاوید کا پہلا ناول ہے جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ یہ مصیبت زدہ انسان کی کہانی ہے جو آخر تک تکلیف اور درد برداشت کرتا ہے۔ خودکشی اس کی ہم جولی ہے لیکن

وہ باوجود خواہش کے اپنی زندگی کا خاتمہ خود نہیں کر پاتا۔ یہ محض انیس اوراق پر مشتمل ناول ہے جسے ناولٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔

ہر صفحہ ایک باب کی طرح ہے۔ ناول کے مقدمے میں درج ہے کہ سیو کر گی فرٹ یونیورسٹی کے پروفیسر شلر جو شعبہ آثار قدیمہ سے وابستہ ہے۔ وہ تحقیقات کے سلسلے میں گرگنہ تل ماس کے کھنڈرات میں گئے وہاں انہیں ایک مخطوطہ ملا۔ جو دو سو سال تک پانی میں ڈوبا رہنے کے باوجود تلف نہیں ہوا۔ یہ مخطوطہ ایک ان جانی زبان میں تحریر تھا۔ اس کا ترجمہ "ژاں ہو گو" نے کیا۔ جس کا شجرہ نسب مشہور محقق اور مستشرق گارساں دتاسی سے جاملتا ہے۔

جہاں تک ناول کی کہانی کا تعلق ہے تو ناول کا مرکزی کردار بہت سے نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہے۔ بے خوابی، جنسیت، آتشنک، مرگی دیوانگی۔۔۔۔ یہ کردار انتہا درجے کا شہوت پرست ہے۔ زمیندار گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔ باپ بھی عیاش اور شہوت پرست تھا۔ اس کا باپ پسند کی شادی کرنے پر گھر سے الگ رہتا ہے۔ مرکزی کردار کی ماں "میراثن" ہے۔ اس کا باپ حد درجہ شکی مزاج ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو ایک بھگوڑے فوجی کی ناجائز اولاد سمجھتا ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان سب سے مضبوط رشتہ " نفرت" ہے۔ اسے پہلی بار باپ کے ہاتھوں اس وقت تشدد کا نشانہ بننا پڑا جب اسے اپنی چھت سے ایک لڑکی کو جنسی اشارے کرتے دیکھا گیا۔ گھر کے حالات اور شوہر سے تنگ آکر اس کی ماں گھر چھوڑ جاتی ہے۔ اس کردار کی بیماریاں اور بد فعلیاں جب حد سے بڑھیں تو اس کے علاج کا حل "شادی" کی صورت نظر آیا۔ کیونکہ سب دوا دارو اور تعویذ گنڈے بے اثر ثابت ہو چکے تھے لیکن شادی بھی موثر حل ثابت نہ ہوئی۔

انجام بالا آکر پاگل خانہ بنا جہاں بجلی کے جھٹکوں سے علاج کیا گیا۔ دوران علاج اس پر وہ منظر منکشف ہوا کہ جب وہ اپنی ماں کی کوکھ میں تھا اور اس کے باپ نے جبرا اس کی ماں کو جنسی آسودگی کا ذریعہ بنایا۔ ایک چھوٹے سے واقعہ کو اتنی خوبصورتی اور مہارت سے صفحہ قرطاس پر اتارا ہے کہ خالد جاوید کے فن کی داد دینا پڑتی ہے:۔

> "ممکن ہے موت کی کتاب" اور صحیفہ ایوب میں مشابہت سرسری یا اتفاقیہ ہو ممکن ہے نہ ہو لیکن یہ ضرور کہتا ہوں صحیفہ ایوب کی زبان جس قدر سادہ شائستہ اور میٹھی ہے۔ "موت کی کتاب" کی زبان اتنی کھردری، بوجھل ڈراؤنی اور ہمیں خود سے شرمندہ کرنے والی ہے۔ یہ کوئی بہت آسان کتاب بھی نہیں اس کو پڑھنے اور برداشت کرنے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

کے لیے ہمیں ادب اور افسانے کے کئی مروجہ تصورات کو پس پشت ڈالنا ہوگا۔

"موت کی کتاب" جیسی تہہ داری اور بھرپور سوچ پر مسائل کرنے والی کتابیں روز روز نہیں لکھی جاتی۔" (۲)

شمس الرحمن فاروقی جیسا ناقد برملا یہ سب کہنے پر مجبور ہوا۔ شمس الرحمن فاروقی اس ناول کی زبان کوڈراؤنی قرار دیتے ہیں۔ چونکہ خالد جاوید کے ناول کا ڈراونی شے ہے۔ موت اور بقائے دوام کے اہم موضوع پر اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ فلسفہ جدیدیت میں Schopnhauer شوپنہار نے موت کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے:۔

"کہ لوگ تسلیم کریں یا نہ کریں میں فلسفیانہ سوچ بچار کی قوت متحرکہ موت ہی ہے۔" (۳)

اسی طرح موت اور عینیت Death and identity کا مولف رابرٹ فلٹن Robert Filton لکھتا ہے"

گذشتہ دس سالوں میں اور بالخصوص ۱۹۵۹ء میں ہر مین میل Horman fefil کی کتاب The meaning of death کی اشاعت کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں موت کے پیدا کردہ مسائل پر تحقیق کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ فیفل نے چھ برس پہلے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ ہمارا موت کے بارے میں مختلف رویوں کا علم بہت کم اور غیر مربوط ہے اور یہ کہ اس ملک میں موت کے مفہوم اور اس کے مضمرات پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ تاہم صورت حال اب بہت بدل چکی ہے۔ پسماندگی کے غم موت کے بارے میں مختلف رویوں اور موت اور مرنے کے بارے میں لوگوں کے طرز علم پر تحقیقات عمرانی اور طبی لٹریچر میں بڑی تیزی سے پھیلی جارہی ہے۔" (۴)

ناول کا مرکزی کردار خودکشی کا خواہاں ہیں۔ پہلے باپ سے نفرت باپ کو قتل کرنے کی خواہش کی وجہ نہیں ہے۔ بچپن ہی سے وہ باپ کو قتل کرنے کے فراق میں رہتا ہے۔ باپ سے نفرت آج کی نہیں بلکہ جب اس کی عمر محض آٹھ ماہ تھی۔ وہ باپ کے قتل کی خواہش کو پالتا رہا لیکن یہ خواہش محض خواہش ہی رہی:۔

"میرے ہاتھ میں وہ کھلا چاقو ہے۔ جس کا پھل آج بہت چمک دار ہے۔ میں نے اپنے باپ کو لات مار کر زمین پر گرادیا ہے۔ میں اس کے سینے پر گھٹنے گڑا کر چڑھ بیٹھا ہوں۔ باپ کی کھچڑی داڑھی قابل رحم انداز میں بری طرح ہل رہی ہے اور آنکھیں خوف سے پھٹ گئی ہیں۔ میں اپنے عفیرتی ہاتھ میں چاقو کو کس کر پکڑ تا ہوں۔ میں وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوں۔ بہت اوپر آسمان تک تا کہ ایک ہی وار چاقو میرے باپ کے سینے میں پیوست ہو جائے۔ یہ جانے کہاں سے اتنا مجمع اکٹھا ہو گیا ہے۔ سب نے مل کر مجھے پکڑ لیا ہے۔ باپ زندہ بچ گیا ہے مگر بے بسی کے عالم میں وہ زمین پر مرتے ہوئے آدمی کی طرح ایڑیاں رگڑ رہا ہے مگر خیر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں دوبارہ وار کروں گا۔ میرا چاقو ایک خوفناک کڑ کڑاہٹ کے ساتھ دوبارہ کھلے گا۔"(۵)

یہ ایک مشکل ناول ہے جسے ایک بار پڑھنا کافی نہیں۔ اسے صحیفے یا شاعری کی طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ناول موضوع اسلوب اور تکنیک کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے حوالے سے بھی اہم ہے۔ ناول کے آغاز میں خالد جاوید نے ژاں ژاگ، روسو اور والٹر بینجمن کے اقوال تحریر کیے ہیں کیونکہ انہیں خود اپنی ژولیدہ بیانی، پریشاں گوئی، الجھی زبان اور مشکل بیانیہ کا احساس تھا کہ اس کی تفہیم قاری کے لیے آسان نہیں۔ بہت سے ناقدین خالد جاوید ان کی تحریروں کو خیالات پریشاں قرار دیتے ہیں۔ یہ خیال پریشاں نہیں بلکہ زندگی کا اصل چہرہ ہے جس سے دور حاضر کا ہر انسان نبرد آزما ہے:۔

"میرا پورا سر کیچڑ خون اور مادہ منویہ سے گیلا ہو گیا۔ بدبو اور تکلیف کی شدت سے میں سکتے میں آ گیا ہوں ۔ مجھے چکر آ رہے ہیں مگر اس دھمک کے صدمے سے ہل ڈل بھی نہیں سکتا۔ اب تو میں رو بھی نہیں سکتا۔ میں رو نہیں پا رہا ہوں۔ اپنا ہوش کھو رہا ہوں۔ میں مر رہا ہوں نہیں میں یہیں اس اندھے مقام سے ہوش سنبھال رہا ہوں۔ ہم اپنی زاد خودکشی کو میں نے اندھیرے سے اسے اپنے شعور میں شامل کیا۔ اب میں واقعی مر جانا چاہتا ہوں۔ اس مہربان تاریک جنت میں دم توڑ دینا چاہتا ہوں۔ مجھے سخت پسینہ آ رہا ہے خون سے لتھڑا ہوا پسینہ، خون کی بو پسینے کے ایک ایک قطرے میں شامل ہو گئی ہے۔ میں جینے کا ارادہ ترک کر رہا ہوں میں اپنی صدیوں پرانی ناآسودہ خواہشات کا دامن

چھوڑنا چاہتا ہوں۔ جن کی وجہ سے مجھے اس اندھیرے میں آنا پڑا۔ مگر اب میں اس سے باہر نہیں جانا چاہتا میں واپس عدم میں لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ [۶]

اگر ادب زندگی کا آئینہ ہے اور ایسا شفاف آئینہ جس میں تصاویر کاغذ کے صفحات یا انسانی اذہان پر چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اگر ادب واقعتاً انسانیت کا ترجمان ہے تو کیا ادیب کے لیے لازم نہیں کہ وہ زندگی کے رموز سے آگاہی حاصل کرے۔ بلکہ ادب اظہار ہے جو زندگی کا شعور حاصل کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ادب کا خاص منصب بھی ہے اور ادیب وہ انسان ہے جس میں وہ ادراکی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ صلاحیت اپنے اندر خارجی اور داخلی وسعتیں رکھتی ہیں اور اس طرح ذاتی تجربہ آفاقی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اب جو ناقد کہتے ہیں کہ ان کے ہاں ناولوں میں ہم وقت مریضانہ جنسی کیفیت طاری رہتی ہے۔ ان کے ہاں ہر منظر منظر پریشاں ہے لیکن ان ناقدین سے سوال ہے کہ کیا خالد جاوید کے کردار کی اور سیارے کی مخلوق نظر آتے ہیں۔ غلام گردشوں اور نفسیاتی بھول بھلیوں سے سر پٹکتے یہ کردار اس زمین کے ہیں اور زندگی سے وابستہ ہیں۔

خالد جاوید کا دوسرا ناول "نعمت خانہ" جو ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ ناول پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا ہوا، دوسرا اور چوتھا سود تیسرا انزلہ اور پانچواں سناٹا کے عنوان سے۔ ناول کی تھیم theme موت اور بھوک ہے۔ ناول کا مرکزی کردار جنونیت، بے خوابی اور ذہنی دیوانگی جیسی ذہنی کیفیات میں مبتلا ہے۔ بچپن میں ماں باپ کی شفقت سے محرومی اور یتیمی اس کی شخصیت کو متاثر کرتی ہے۔ حفیظ عرف گڈو میاں کا گھر ہمہ وقت چچا، ماموں، خالو، نانا، نانی، آپا جیسے رشتوں سے بھرا رہتا ہے۔ گڈو میاں میں ایک خاص قدرتی صلاحیت ہے۔ جس کی وجہ سے کسی بھی حادثے یا بڑے واقعہ کا سے قبل از وقت احساس ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں شامل ہونے والی تینوں عورتیں" انجم" نام کی ہیں۔ انجم آپا اور انجم باجی جو کہ عمر میں اس سے کافی بڑی ہیں وہ ان دونوں کو الگ الگ وقت میں چاہنے لگتا ہے اور اسی چاہت میں اس سے دو لوگوں کا قتل بھی ہو جاتا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ وہ کلکتہ کا رخ کرتا ہے اور وکالت کا پیشہ اختیار کرتا ہے اور وہ ایک ایسا وکیل بنتا ہے جو آج تک ایک بھی کیس نہیں جیتا۔ انجم نامی بیوی جس سے اسے بھی پیار اور انسیت محسوس نہیں ہوئی اور وہی نفرت اس کی بیوی نے دونوں بیٹوں میں بھر دی جو ہمہ وقت اپنے باپ کو قتل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ قصہ المختصر وہ خود کو آہستہ آہستہ گھر والوں سے دور کر لیتا ہے۔ خالد جاوید نے "نعمت خانہ" کو "موت کی کتاب" کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے:۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"نعمت خانہ یعنی موت کی دوسری کتاب حاضر خدمت ہے۔"موت کی کتاب" کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا اور اسے گفتگو اور بحث کا موضوع بنایا گیا تو اس پر میں اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں اس ناول کو "موت کی دوسری کتاب" کیوں کہہ رہا ہوں؟ یہ ایمانداری کا ثبوت ہے اور دوسری بات یہ کہ میری ہر تحریر ایک موت کی کتاب ہے۔ موت کی کتاب کے علاوہ میں اور کچھ لکھنے کے لائق ہی نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بقول فرانسیسی فلسفی پاسکل دل کی اپنی عقل آرائی ہوتی ہے جسے عقل نہیں جانتی"۔ (۷)

"نعمت خانہ" ایک ایسے انسان کی کتھا ہے جو موت کے گھاٹ اترتا بھی ہے اور اتارتا بھی۔ یہ ناول بھی جدیدیت کے زیر اثر وجود میں آیا اور بعض ناقدین شاید اس لیے خالد جاوید کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ ان کے ہاں جدیدیت کے اثرات واضح محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ جو ان ناقدین کے بقول برسوں پہلے دم توڑ چکی ہے۔ گو یہ ناول جدیدیت کے زیر اثر لکھا گیا لیکن اس ناول میں ترسیل کا مسئلہ بالکل نہیں۔ ناول کا مرکز "باورچی خانہ" ہے اور ناول میں ہونے والا ہر واقعہ باورچی خانہ سے منسلک ہے۔ اس کے ہر کھانا ہی "منحوس" ہوتا ہے۔ وجہ وہ الہامی حس ہے جو اسے پہلے ہی برے واقعہ کے لیے خبر دار کر دیتی ہے۔

"اس شام باورچی خانے سے اسے مسالے کی بو آرہی تھی۔ جس کے ساتھ مچھلی بھونی جاتی ہے مجھے مسالے والی مچھلی بہت پسند ہے مگر میری چھٹی حس نے مجھے آگاہ کر دیا تھا کہ آج یہ شگون نہیں ہے۔ کوئی بھی برا واقعہ کسی ساتھ بھی پیش آسکتا ہے مگر میں نے اس رات مچھلی خوب مزے لے لے کر کھائی مچھلی ثروت ممانی نے پکائی۔ انجم باجی پکاتیں تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ رات کا کھانا ساتھ خیریت کے کھا لیا گیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ یا حادثہ پیش نہیں آیا۔ میری چھٹی حس بھی سو گئی"(۸)

خالد جاوید کے ہاں آفاقیت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی مکتب فکر کا غلام نہیں۔ بڑا ادب ہمیشہ مکاتب فکر سے ماورا ہوتا ہے۔ خالد جاوید فطرتاً مشکل پسند فن کار ہے۔ اس کے ہاں حسن بیان کے ساتھ ساتھ تکنیکی تنوع کی تہہ داری بھی نظر آتی ہے۔ وہ موضوعاتی، تکنیکی تجربات سے بھی گریز نہیں کرتے۔ خالد جاوید کے ہاں حقیقت، فلسفہ اور خوبصورت بیانیہ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

"نعمت خانہ" صرف کھانا پکانے اور کھانے کی جگہ ہی نہیں بلکہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا عکاس بھی ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی شکست وریخت کی کہانی بھی، اپنی جنم بھومی تو ان کی روح میں بسی ہوئی ہے۔" موت کی کتاب" دور حاضر کے فرد کا مرثیہ ہے تو"نعمت خانہ" میں خالد جاوید بذات خود حفیظ عرف گڈو میاں کے کردار میں چلتے پھرتے سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔ مرکزی کردار سے خالد جاوید کی مماثلتیں اتفاقیہ بھی ہو سکتی ہیں اور شعوری بھی۔"نعمت خانہ" واحد متکلم تکنیک میں لکھا گیا ہے جس سے بیان زیادہ موثر ہو گیا ہے۔ مرکزی کردار ہمہ وقت اپنی چھٹی حس کی صلاحیت کی وجہ سے کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ ہمہ وقت کچھ ہونے کا احساس اُسی داخلی کشمکش میں مبتلا رکھتا ہے۔ یہاں خالد جاوید نے فلسفہ کے استاد ہونے کا حق ادا کر دیا وہ چونکہ فلسفہ کے رموز ونکات سے آگاہ ہیں۔ اسی لیے وہ فرد کی داخلی کیفیات کو خارجی عوامل کے ساتھ اس طرح ملاتے ہیں کہ ان کی کہانی افسانہ نہیں بلکہ جیتی جاگتی زندگی کی تصویر بن جاتی ہے۔ خالد جاوید مختلف ہے اسی لیے مشکل پسند ہے مختلف ہونا کوئی عیب نہیں یہ گلہ تو مرزا غالب بھی ساری عمر کرتے رہے لیکن تاریخ اور وقت کا وار بڑا ظالم ہے۔ جو بڑا چھوٹا نہیں دیکھتی سب کچھ سامنے لے آتی ہے۔ شاید آنے والے وقت میں تنقید کے معیارات متعین ہو سکیں جن کی کسوٹی پر خالد جاوید کو پر کھا جاسکے۔ ڈاکٹر انوار الحق لکھتے ہیں:۔

"ناولوں میں فلسفیانہ بحث کی شروعات دراصل اس سے بھی بہت پہلے قریب چھٹی صدی عیسوی میں ہو چکی تھی۔ سینٹ آگسٹائن St Augustine کی کتاب DeMagister کو جو چوتھی صدی کی تصنیف ہے۔ کتنا ناول ہے اور کتنا فلسفہ یہ ابھی تک طے نہیں ہو پایا۔ آگسٹائن ایک لاطینی ادیب ہے جس کو فلسفیانہ ناول کا بنیاد گزار تسلیم کیا جاتا ہے۔ میرا مقصد فلسفیانہ ادب کی تاریخ بیان کرنا قطعی نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ ناول میں فلسفے کے عمل دخل کو بہت سے ناقدین قبول نہیں کرتے اور اس کو نئے زمانے کی اختراع کہہ کر خارج کر دیتے ہیں۔ تو دراصل اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ خالد جاوید کا امتیاز یہ ہے کہ وہ باضابطہ فلسفے کے طالب علم رہ چکے ہیں اور فلسفے کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ ادب اور زندگی دونوں کا تعلق فلسفے سے بہت گہرا ہے۔ ناول چونکہ زندگی کا عکس ہوا کرتا ہے۔ اس لیے فلسفے کے ذریعہ زندگی کی پیچیدگیوں کو ناول میں زیادہ پُر اثر طریقے سے تخلیقی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ خالد جاوید نے "نعمت خانہ" میں یہی کیا ہے بلکہ وہ اس سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ اس ناول میں موہوم حقیقت نگاری ماورائی حقیقت

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

نگاری اور حقیقت نگاری تینوں زاویوں سے زندگی کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے اس ناول کا جائزہ لیتے وقت تینوں زاویے ملحوظ خاطر رکھنا لازمی ہے۔ تب ہی ہم اس ناول کی قدر و قیمت متعین کر پائیں گے۔"(۹)

خالد جاوید کا تیسرا ناول "ایک خنجر پانی" میں وبا سے متعلق ایک منفرد بیانیہ ہے۔ وبا تھیم پر پہلے بھی بہت سے ناول لکھے گئے لیکن خالد جاوید کا یہ ناول ان میں سے موضوع تھیم، پلاٹ اور اسلوب کی بناء پر منفرد ہے۔ خالد جاوید نے "ایک خنجر پانی میں "ناول کو بیتے وقت اور پانی کی کتاب قرار دیا ہے۔ ناول کی کہانی کچھ اس طرح سے ہے کہ شہر کی ایک چھوٹی سے کالونی میں اچانک پانی آلودہ ہونے کی وجہ سے مختلف نوع کی بیماریاں پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ اس بیماری نے گزرتے وقت کے ساتھ وبائی مرض کی صورت اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ پورا شہر اس کی لپیٹ میں آتا گیا۔ حکام بالا کے نوٹس پر شہر کو سیل کر دیا گیا اور پانی کی ترسیل بھی روک دی گئی۔ جس کے نتیجے میں لوگ تڑپ تڑپ کر مرنے لگے۔ خالد جاوید کے سفاکانہ قلم کی دھار سے کوئی نہیں بچا وہ چاہے معاشرتی رویہ ہو یا معاشرہ۔ پانی کی بندش نے سوفٹ ڈرنک اور منرل واٹر کا کاروبار چمکایا۔ راتوں رات اس مقصد کے لیے کولڈ ڈرنک ایجنسیاں کھول کر لوگوں کی بے بسی کا مذاق اڑایا گیا۔ یہ ناول حضرت انسان کی خود غرضیوں اور لالچ کی داستان ہے۔ مشکل پسند خالد جاوید کا بیانیہ اس ناول میں بھی قاری کو مشکل میں ڈالتا ہے۔ پلاٹ بھی قدرے گنجلک ہے۔ ایک ہی کہانی کو خالد جاوید نے تین ناولوں میں ایک نئے زاویہ سے پیش کر کے اپنی فن کاری کی دھاک بٹھائی ہے۔ اپنی فکری اساس میں خالد جاوید رد تشکیل رجحان رکھتے ہیں۔ ایک بڑے بیانیہ کے زیر اثر انہوں نے ناول میں کرداروں کے حقیقی اور حسیاتی معاملات کو بڑی مہارت سے بیان کیا ہے۔ پلاٹ اور انوکھے کردار قاری کی توجہ کو بھٹکنے نہیں دیتے۔ تھوڑی سی توجہ ہٹی تو قاری ناول کی تھیم سے دور جا نکلتا ہے۔ اس لیے تو خالد جاوید کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ ان کے ناول چبا چبا کر پڑھنے کی چیز ہے اور یہ خوبی خالد جاوید کا قد ان کے ہم عصروں میں بلند کر دیتی ہے۔ ناول کا ایک اور اہم پہلو عالمگیر ثقافت بھی ہے۔ جس کے تحت عالمگیر ثقافت کا تعلق مقامی ثقافتوں پر غلبے سے جڑا ہوا ہے۔ عالمگیریت جسے انگریزی میں گلوبلائزیشن کا نام دیا گیا ہے۔ اپنے اندر بڑے وسیع معنی اور تصور رکھتا ہے۔ یہ در حقیقت طاقت اور اقوام کا دنیا پر فوجی غلبے کا تصور ہے۔ اب دنیا کو زیر کرنے کے لیے فوجی غلبے کے بجائے اس کی معیشت پر کنٹرول حاصل ہے اور اپنے مفادات کو آخری حد تک یقینی بنانا ہے اور یہ مفادات لازماً معاشی نوعیت کے ہونگے اور ان معاشی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے جو ذرائع استعمال ہو رہے ہیں۔ انہوں نے لازماً دنیا کی ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی منظر

نامے کو متاثر کیا ہے۔ خالد جاوید نے اس نازک موضوع کو ناول کا حصہ بنا کر ناول کے لیے مزید امکانات روشن کیے ہیں۔ مصنف ناول میں ہندوستان کے تناظر میں تیسری دنیا کی سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی شکست وریخت کو بھی موضوع بناتا ہے اور یہ پہلو ناول کو اور بھی قابل توجہ بناتا ہے:۔

> "مگر اب شہری منصوبہ بندی اور ترقی کی شاندار اور جگمگاتی ہوئی روشنیوں نے توہم پرستی، خوف اور دہشت کو ہمیشہ کے لیے اپنے اندر نگل لیا تھا۔ شاید ہی کسی کو یہ بھی یاد رہ گیا ہو کہ اس تالاب سے منسلک ایک بہت چھوٹی اور پتلی سی ندی بھی بہا کرتی تھی اور اس طرح کی کالونیوں میں بنے ہوئے مکانات کی بنیادیں انسانی پنجروں اور ہڈیوں کی راکھ اور چونے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ویسے بھی اس قسم کی باتوں کو یاد کرنا اور رکھنا دونوں ہی سرے سے بے تکا تھا اور کسی حد تک غیر اخلاقی بھی کیونکہ اخلاقی اقدار کا تعلق ہمیشہ اپنے زمانے سے ہوا کرتا ہے۔ زمانے کو تو برا کہا نہیں جا سکتا ممکن ہے کہ زمانہ ہی خدا ہو ،اور یہ زمانہ ایک دوسری اور متبادل اخلاقیات گڑھ رہا ہے۔ [۱۰]

خالد جاوید کا تجزیہ شاندار اور قابل غور ہے۔ اپنے عہد کی ثقافتی، تہذیبی اور سماجی زندگی کی اعلی پائے کی تصویر کشی کی ہے۔ ناول میں ایک جدید ہندوستان کے جدید سماج اور یہاں سے نکلنے والا نیا بیانیہ صاف طور پر دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ معاشرہ ہے جہاں سرمایہ دارانہ تہذیب تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے اور اس کے اثرات براہ راست انسانوں پر آرہے ہیں۔ ایسے انسان جو وباء اور بیماری کے خوف سے گھروں میں قید ہے اور تنہائی کا زہر پی رہے ہیں۔ یہ ازلی تنہائی ہی تو انسان کا مقدر ہے اور یہ تنہائی انسان کو ڈپریشن جیسی مہلک بیماری میں مبتلا کرتی ہے۔ خالد جاوید کے تمام ناول تھیم کے حوالے سے "المیہ" ہے اور وجہ خالد جاوید کا سماجی شعور ہے۔ ان کا یہ شعور انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں پائی جانے والی غربت، بیماری، افلاس، اخلاقی اور روحانی اقدار کی کمی، بے راہ روی جنسی استحصال جیسے مسائل کے خلاف جہاد بالقلم کریں۔ "آخری دعوت" کے غرض مصنف میں لکھتے ہیں:۔

> "فکشن میں شاعری کی طرح ابہام نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ اسے دکھ، ایجاد کرتا ہے تاکہ بے انصافی، استحصال، ظلم، بد عنوانی اور ریاکاری کی تصویریں ضمیر کے بالا رنگ آئینے میں بے ربطی کے ساتھ ہی مگر دکھائی تو دیں۔" [۱۱]

"ایک خنجر پانی میں" کے کردارا ایسے حالات سے دوچار ہیں کہ تکلیف بیماری اور خوف میں مبتلا ہو کر موت کے منہ میں چلے جارہے ہیں۔ یا موت کی خواہش ان کے اندر جنم لے رہی ہے اور معاشرے کا غیر منصفانہ نظام اس المیے کو جنم دے رہا ہے۔ کہنے کو تو گورنمنٹ دن رات اس مسئلے سے نمٹنے کے اقدامات کررہی ہے لیکن یہ مسئلہ اب المیہ کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ جن تنقید نگاروں کو ان کے ہاں غلاظت، خون، پیشاب، مادہ منویہ، عمل مباشرت، چھوٹی آنت، بڑی آنت ایسے ڈھیروں غلیظ الفاظ پر اعتراض ہے۔ ان سے مؤدبانہ سوال ہے کہ یہ سب عوامل غیر انسانی ہیں اگر انسانی ہیں تو خالد جاوید کی عظمت کو سلام کہ ان سے نہ صرف آنکھیں ملاتا ہے بلکہ بیان کر نے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:۔

> "خالد جاوید کے افسانوں کی دنیا میں امکانات صرف دکھ کے امکانات ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ دکھ متکلم یا بیان کنندہ کے اپنے لائے ہوئے یا اپنے اوپر اوڑھے ہوئے ہیں۔ یا یہ دکھ کوئی خارجی حقیقت ہیں۔ یہاں سب سے بڑا المیہ یہ کہ جو کچھ ہوا وہ دکھ بھرا تھا۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جو کچھ نہ ہوا اور جس کے بارے میں انسان عام طور پر ایک روحانی امید یا وہم رکھتا ہے کہ جوں یوں ہوتا تو کیا خوب ہوتا وہ بھی اتنا ہی دکھ بھرا ہے۔" (۱۲)

صدیوں سے زندہ رہنے کے لیے انسان نے کئی قیامت خیز منظر دیکھے بپھرے دریا، کبھی زلزلے، ناگہانی آفات، مہلک امراض اور وبائیں اور کبھی روشن اور جیتے جاگتے شہر، گردوباد کے طوفان سے انسانوں کا ہی مدفن بنتے یہ موضوع تو نیا نہیں۔ خالد جاوید کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گہرے سماجی شعور، انسانی نفسیات نت نئی تکنیکی کاوشوں اور فلسفے کے رموز سے اپنا فکشن پروان چڑھایا ہے۔ یہ ناول ہمیں ایک ایسی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں وبا ایک عفریت کی مانند منہ کھولے سب کو نگلنے کو بے قرار ہے اور انسانوں میں "تنہائی" ایک اور وبا بن کر پر پھیلا رہی ہے۔ یہ ناول اس سوال کو بھی جنم دیتا ہے کہ جب کوئی وبا انسانیت پر حملہ کرتی ہے تو پھر اس سے پھوٹنے والی نئی تہذیب کی نشو ونما کن اصولوں پر ہو گی۔

خالد جاوید کے تینوں ناول گذشتہ عشرے کے بہترین ناول قرار دیے جارہے ہیں۔ آنے والا وقت خالد جاوید کے "World View" کو مزید نمایاں کرے گا۔ آخر خالد جاوید اپنے قاری کو کیا پیغام دینا چاہتا ہے۔ ان کا

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

فکری و تصوراتی نظام کیا ہے اور وہ ادبی قد و قامت کے حاصل ہیں۔ ان سوالوں کے جواب اسی وقت مل سکتے ہیں کہ جب ہم تنقید کے وہ پیمانے بنا سکیں جہاں خالد جاوید جیسے تخلیق کاروں کے کام کو پرکھا جا سکے۔ ایسے تنقید نگار جو ایک خاص پہلو کے حوالے سے خالد جاوید پر تنقید کرتے ہیں اس بحث میں پڑے بغیر کہ ان کا فکری اور تصوراتی نظام ہے۔ ان کے لیے شمیم حنفی کی یہ رائے کافی ہے:

> "کسی لکھنے والے کے پاس اگر کہنے کے لیے بس وہیں باتیں ہوں جو سب کی گرفت میں آجاتی ہیں تو ان باتوں کو کہنے میں اور نہ کہنے میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ پڑھنے والوں کی بصیرتوں پر ان باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ فرق شروع ہوتا ہے بیان کے اس مرحلے سے جہاں لکھنے والے کی اپنی حیثیت اور مشاہدے کی روداد بھی کہانی کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو خالد جاوید کا معاملہ اپنے ہم عصروں کی بہ نسبت مختلف اور قدرے پریشان کرنے والا ہے"۔ (۱۳)

خالد جاوید کی فکر کائنات میں گویا حقیقت اور حقیقت کی تعبیر، ایک مسلسل امکان سے عبارت ہے۔ ادب اور زندگی دونوں کا تعلق فلسفہ سے بہت گہرا ہے۔ خالد جاوید کے ہاں فلسفہ اور زندگی کا امتزاج موہوم حقیقت نگاری، ماورائی حقیقت نگاری اور حقیقت نگاری تینوں زاویوں سے زندگی کی تصویر کشی ہے۔ زندگی فہمی کے عرفان نے ان کے فن کے ناپید کنار حدود میں کھل کھیلنے کے عمل کو جلا بخشی ہے۔ خالد جاوید کا بے رحم بیانیہ کہانی کے تمام سروں کو اتنا ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے کہ قاری کیلئے ناول کی تفہیم ایک چیلنج بن جاتا ہے بلاشبہ خالد جاوید کے تینوں ناول سماجی، نفسیاتی اور فلسفیانہ زندگی کا رزم ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عتیق اللہ، پروفیسر "خالد جاوید شخصیت اور فن، محمد نہال افروز" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۷ء ص ۱۱

۲۔ شمس الرحمن فاروقی، "موت اور موت کی کتاب" مشمولہ رسالہ، اثبات، سہ ماہی، شمارہ نمبر ۱۱، ص ۱۷۸

۳ Dictionary of Philosphy I dagobart Runes uthel Philisphical library New York, 1942, P 142

۴ Kant, critique of pure reason bk 22ch 4, Ch John Waston Selections

from Kant glasgow 1897, P 204

۵۔ خالد جاوید، "موت کی کتاب" عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۱ء ص ۱۲۴

۶۔ خالد جاوید، "موت کی کتاب" عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۱ء ص ۱۳

۷۔ خالد جاوید، "نعمت خانہ"، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۹۵ء

۸۔ خالد جاوید، "نعمت خانہ" عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۹۵ء

۹۔ انوارالحق، ڈاکٹر، "نعمت خانہ" بھوک کی موہوم حقیقی دنیا صدر دی ونگسن فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ص ۲۵

۱۰۔ خالد جاوید، "ایک خنجر پانی میں" عرشیہ پبلی کیشن، دہلی ۲۰۲۰ء، ص ۲۱-۲۰

۱۱۔ خالد جاوید، "آخری دعوت"، پینگوئن بکس پبلیشرز، انڈیا ۲۰۰۷ء، ص ۹

۱۲۔ شمس الرحمن فاروقی، "موت اور موت کی کتاب"، مشمولہ رسالہ، اثبات، سہ ماہی، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۶۸

۱۳۔ شمیم حنفی، "اندھیری منزلوں کا سفر"، مشمولہ رسالہ "شعر و حکمت" مئی ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۶